دوسری قسط

قادیانیوں کا صدسالہ جشن......حقیقت کے آئینے میں

پروفیسر خالد شبیر احمد

قادیانیت اور یہودیت تو اَم بہنیں ہیں:

پہلی قسط میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ قادیانیت ایک ایسی تحریک ہے جو مذہب کے لبادے میں انگریزی استعمار کے ایماء اور امداد سے برپا کی گئی۔ اس گروہ کی بنیادی غرض وغایت انگریزی سامراج کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور دنیائے اسلام میں تفرقہ ڈال کر اُن کی ملّی شناخت کو مجروح کرنے کے علاوہ خلافتِ عثمانی (جو دنیائے اسلام کے مرکز اور محور کے طور پر جانی پہچانی جاتی تھی) کو ختم کر کے اُس کی جگہ دنیا میں یہودیوں کی سیاسی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لیے فلسطین کے اندر ایک یہودی ریاست قائم کرنا تھا۔ یہ ایک سامراجی ضرورت تھی، جس میں قادیانی کردار ایک واضح حیثیت رکھتا ہے جس کی تصدیق ''قادیان سے اسرائیل تک'' کے مصنف ابومدثرہ صفحہ ۱۸ پر اس طرح کرتے ہیں:

> ''مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک کی ابتداء اس کے مزاج اور اس کی حقیقی غرض وغایت سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ہمیں ایک تو برطانوی سامراج کی سیاسی پالیسی پر نظر رکھنی ہوگی، دوسرے یہودی تحریکِ قومیت صہیونیت ۱۸۹۷ء کے رہنماؤں اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے روابط کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس پس منظر میں قادیانی تحریک کے کردار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سول سروس کے یہودی افسر اس تحریک کی کامیابی کے لیے ہر سطح پر کوشاں تھے۔ دراصل وہ ہر ایسی تحریک کے قیام اور اس کی سرپرستی کے لیے بے تاب تھے جو برطانوی سامراج کے توسیع پسندانہ اغراض اور صہیونیت کے سیاسی عزائم کے دوہرے مقاصد کو پورا کرنے کی اہل ہو۔ ان دونوں طاقتوں کا بڑا نشانہ ترکی کی عظیم سلطنت تھی جس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہی علاقائی توسیع پسندی اور فلسطین میں یہودی ریاست کے خواب کو پورا کیا جا سکتا تھا۔
>
> یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں ''رسل اوتھ بل'' پاس ہونے کے بعد یہودی برطانیہ کی سیاست پر چھائے جا رہے تھے اور سول سروس میں اعلیٰ عہدے حاصل کر کے برطانوی نوآبادیات میں قدم جما رہے تھے۔ جدید سیاسی افکار نے یہودی اور عیسائی مذہبی امتیازات کو ختم کر دیا تھا۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۲ء تک برطانیہ کے تین وزیراعظم سالسبری، گلیڈسٹون اور روزبری میں سے اوّل الذکر یہودی تھا اور دوسرے دو یہود نوازی اور ترک دشمنی میں اپنی مثال آپ تھے۔ تحریکِ صہیونیت (۱۸۹۷ء) کی بنیاد رکھ کر تھیوڈر ہرزول نے جب عثمانی حکومت کے قبضے سے فلسطین کو آزاد کرانے کا اعلان کیا تو برطانیہ نے صہیونی لیڈروں سے مضبوط روابط قائم کر لیے اور ایک مشترکہ لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے مذاکرات کا آغاز کیا۔ یہودی ریاست کے سوال پر برطانوی سیکرٹری نوآبادیات جوزف چیمبرلین اور ہرزل کی طویل ملاقاتیں ہوئیں جس کے نتیجے میں برطانیہ یوگنڈا میں یہودی ریاست کی تشکیل کی تجویز پیش کی لیکن یہودی برادری

نے اسے مسترد کردیا (انسا ئیکلوپیڈیا برٹینکا ریوزم) ۱۹۵۲ء میں دنیا کے تمام ممالک میں یہودیوں نے صیہونیت کے پروگرام کے مطابق یہودی ریاست کے قیام کے لیے وسائل کو بروئے کار لانے کی جدوجہد کو تیز کردیا۔ اس کی بڑی وجہ برطانیہ میں آرتھر جے بالفور کا وزیرِاعظم کے عہدے پر فائز ہونا تھا۔ بالفور سابق وزیرِاعظم برطانیہ سالسبری کا بھتیجا تھا اور اُس کی لبرل یونینسٹ کی وزارت (۱۸۸۶ء تا ۱۸۹۲ء) میں چیف سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔ یہ وہی بدنام زمانہ یہودی ہے جو اعلانِ بالفور (۱۹۱۷ء) کا مجوز تھا۔ اپنے دورِ وزارت (۱۹۰۲ء تا ۱۹۰۵ء) اس نے تمام صیہونیت نواز تحریکوں کی بھرپور مدد کی۔ ۱۹۰۵ء میں سربیریان وزیرِاعظم برطانیہ فارن سیکرٹری سرایڈورڈ گرے اس کا معتمد تھا۔ انھوں نے اپنے پیش روؤں کی ترک دشمنی حکمتِ عملی پر پورا پورا عمل کیا۔ اس عہد میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن (۱۸۹۹ء۔ ۱۹۵۷ء) ہندوستان کو ''بیس'' بنا کر مشرقِ وسطیٰ میں سامراجی سازشوں کی تکمیل میں سرگرم رہے۔ یہ تاریخی حقیقت بھی منظر عام پر آچکی ہے کہ یہود کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے ہندوستان کی سول سروس کے بعض یہودی افسر بھی سرگرمِ عمل تھے جو اینگلو اسرائیلی ایسوسی ایشن لندن کے اراکین تھے۔ اور مختلف فوجی اور انتظامی عہدوں پر فائز تھے، جن میں فوج کے جنرل اور گورنر تک کے عہدے شامل تھے۔ یہ لوگ صیہونیت کے عمومی مقاصد کی تکمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔'' (سوشولوجیکل ریویو لندن، مارچ ۱۹۶۹ء مقالہ از جے وسن)

اس تحریر کی روشنی میں مسلمانوں پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترکی کی عثمانی ریاست کا قیام یہودی اور عیسائی طاقتوں کی نظر میں کس طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ اس ریاست کو مسلمانوں کا مرکز تصور کرتے ہوئے اسے تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ تاکہ صیہونی ریاست کے قیام کو ممکن بنایا جاسکے۔ برطانیہ کی طرف سے یوگنڈا میں یہودی ریاست کی تشکیل کی تجویز کو یہودیوں نے محض اس لیے مسترد کردیا تھا کہ اُن کی نگاہیں فلسطین پر جمی تھیں۔ وہ فلسطین کو اپنا وطن گردانتے تھے اور دوبارہ فلسطین میں ہی اسرائیلی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام اور ترکی کی سلطنت عثمانیہ کا اختتام اُس وقت کے حالات میں دشمنانِ اسلام کے اوّلین مقاصد تھے جسے وہ ہر حال میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قادیانی کتنے متحرک اور فعال تھے، اس کا اندازہ لگانے کے لیے ذیل میں چند حقائق پیشِ نظر ہیں۔

حکیم نورالدین نے اپنے دورِ اقتدار میں یہودیوں کے ان مقاصد کو آگے بڑھایا۔ اصل کام کا آغاز تو مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے دور سے ہی ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں قادیان مرزا غلام احمد کے خلاف اسلام اور خلافِ ترک سلطنت سرگرمیوں کی وجہ سے تخریب کاری اور سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔ جہاں سے پورے بلادِ اسلامیہ کے اندر انگریزوں کی اطاعت، سلطنت عثمانیہ کی مخالفت، اور جہاد کی مذمت میں لٹریچر بھیجا جاتا تھا۔ مرزا غلام احمد نے سوڈان میں مہدی سوڈانی کی مخالفت کے لیے غلام نبی قادیانی کی قیادت میں ایک مشن مصر بھیجا۔ اسی طرح عراق میں ترکی کی حکومت کے خلاف کام کرنے کے لیے ایک عرب قادیانی جس کا نام عبداللہ تھا، مامور کیا گیا۔ اسی طرح وسط ایشیا زار روس کے خلاف برطانوی جاسوسی کے لیے کئی مشن روانہ کیے گئے جن میں مولوی قطب الدین قادیانی، میاں جمال الدین قادیانی اور مرزا خدا بخش قادیانی اچھے خاصے معروف نام ہیں۔ افغانستان ایک مدت تک قادیانی جاسوسوں کی زد میں رہا۔ مولوی عبداللطیف قادیانی

اس ضمن میں ایک نمایاں نام ہے جسے اُس وقت کی حکومتِ افغانستان نے اُس کے مرتد ہونے کی بنا پر سنگسار کر دیا تھا۔ (تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ''تاریخ محاسبۂ قادیانیت'' ملاحظہ کریں)

ترکی کی حکومت مسلمانوں کے اتحادِ ملّی کا نشان بن چکی تھی۔ مرزا غلام احمد کی تنقید اور مذمت کا خصوصی نشانہ بنی رہی۔ مرزا غلام احمد بڑے تسلسل کے ساتھ ترکی کی تباہی اپنے الہاموں اور پیش گوئیوں میں بیان کرتے رہے۔

ترک قونصل سے ملاقات:

۱۸۸۷ء میں جب ترک قونصل کراچی سے لاہور آئے تو مسلمانوں نے اُن کا شاندار استقبال کیا۔ لاہور کی قادیانی جماعت کی طرف سے مرزا غلام احمد کی طرف سے ترک قونصل کو ملاقات کی دعوت دی گئی۔ مسلمان ذرا مطمئن ہوئے کہ شاید خلافتِ عثمانیہ کے نمائندے سے مرزا کی ملاقات سے مرزا غلام احمد ترک مخالفت سرگرمیوں میں کچھ کمی آجائے گی لیکن مرزا صاحب نے اپنی ملاقاتوں میں انگریزوں اور یہودیوں کی حمایت اور ترکوں کی مخالفت کا اعادہ کیا تو ترک قونصل ناراض ہوکر واپس چلے گئے۔ اُسے یقین ہوگیا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو مذہبی رہنما کہتا ہے۔ درحقیقت انگریزوں کا ایجنٹ اور گماشتہ ہے جو اپنے قول اور فعل سے اپنے آپ کو مسلمانوں کا ازلی اور ابدی دشمن ثابت کرچکا ہے۔ مذاکرات ختم ہونے پر مسلمانوں کو ان مذاکرات کے بارے میں فطری طور پر تجسس تھا۔ چنانچہ لاہور کے ایک اخبار ''ناظم الہند'' نے ترکی قونصل کے ساتھ رابطہ قائم کرکے مرزا صاحب سے اُن کی ملاقات کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے صاف صاف الفاظ میں مرزا قادیانی کی مذمت کی اور کہا کہ یہ شخص فریب کاری کا مجسمہ ہے، جس کی رگ رگ میں اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی دشمنی کا جذبہ موجزن ہے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا کارِ فضول ہے۔ چنانچہ ترک قونصل کا یہ خط جب اخبار میں چھپا تو مسلمان سیخ پا ہوگئے اور انھوں نے مرزا غلام احمد کی بڑی شدت کے ساتھ مخالفت اور مذمت کرکے اپنے دلّی جذبات کا اظہار کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد مرزا صاحب ایک اشتہار کے ذریعے اپنے خیالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''میرے نزدیک واجب التعظیم اور واجب اطاعت اور شکرگزاری کے لائق گورنمنٹ انگریزی ہے جس کے زیرسایہ امن سے یہ آسمانی کارروائی کررہا ہوں۔ ترکی کی سلطنت آج کل تاریکی سے بھری ہوئی ہے اور شامتِ اعمال بھگت رہی ہے اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ اس کے زیرسایہ ہم کسی راستی کو پھیلا سکیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ سلطان کی سلطنت کی حالت ٹھیک نہیں اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ اس کا انجام اچھا نہیں۔ یہی وہ باتیں تھیں جو سفیر مذکور کو اپنی بدقسمتی سے بری طرح محسوس ہوئیں۔'' (تبلیغ رسالت، جلد ہشتم مؤلفہ میر قائم علی قادیانی، ص۵)

مرزا غلام احمد کی ترک دشمنی اُن کی وفات ۱۹۰۸ء تک جاری رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کسی قسم کی کمی کی بجائے بلا کی شدت ہی پیدا ہوتی گئی۔ ہندوستان کے مسلمان جو دل وجان سے ترکی کی سلطنت عثمانیہ کے ساتھ ساتھ مرزا قادیانی کی اس پالیسی کو بخوبی سمجھتے تھے اور مرزا کی اس برطانیہ نواز ترک دشمن حکمت عملیوں پر کڑی تنقید بھی کرتے تھے۔ چنانچہ جہلم سے شائع ہونے والے مسلمان اخبار ''سراج الاخبار'' نے اپنے خصوصی مقالے میں مرزا غلام احمد کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا:

''مرزائے قادیاں کے جھوٹے دعوے اور انبیاء علیہم السلام کی نسبت اس کی توہین آمیز تحریریں ایک مدت سے مسلمانوں کی سخت دل آزاری کا باعث ہو رہی تھیں مگر اب کی مرتبہ ۲۴ رمئی کو ایک اشتہار ''حسین کامی سفیر سلطانِ روم'' کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ اس سے تو ہندوستان کے ہر طبقے کے مسلمانوں کو انتہائی قلق ہوا ہے۔ اس اعلان سے صریحاً ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شخص صرف علمائے امت کا ہی دشمن نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ اور روئے زمین پر مسلمانوں کا جانی دشمن ہے۔ اور جس طرح انگلستان میں گلیڈسٹون اسلام اور ترکی کا مخالف ہے، اسی طرح ہندوستان میں یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کا دشمن ہے۔ حیف ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین جو روئے زمین کے مسلمانوں کا واجب الاحترام مقتدیٰ ہے اور جو حرمین شریفین کا محافظ ہے۔ اس کی نسبت گلیڈسٹون کا یہ بے باک مقلد ایسی ہی دریدہ وَہنی کرتا ہے۔

اخبار بین طبقہ جانتا ہے کہ مرزا قادیانی نے جو کچھ لکھا ہے، یہ وہی کچھ ہے جو گلیڈسٹون اور اُس کے یورپی پیرو ترکی سلطنت کی نسبت بکا کرتے ہیں۔ قادیان کے اس قول سے کہ ''میں نے سفیر کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ رہے گا، وہ کاٹا جائے گا۔ بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ۔ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا الہام کرنے والا خدا بھی صرف مسلمانوں کا ہی دشمن ہے، ان کے خون کا پیاسا ہے اور جو لوگ دین اسلام کے دشمن اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں، اُن سے خوش ہے اور انھی کو دنیا میں قادیانی اور اس کے گروہ کے ساتھ باقی رکھنے کے لیے منتخب کیا ہے۔'' (مولانا ابوالقاسم دلاوری، رئیس قادیان)

یہ تھے حکیم نورالدین کے مرشد جن کا تذکرہ اس مضمون میں بطور پس منظر آ گیا ہے کہ وہ کس طرح انیسویں صدی کے آغاز میں مرنے سے پہلے اسلام اور اہل اسلام کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جس پر آج قادیانی جشن صد سالہ منا رہے ہیں۔ اب ذرا اُن کے معتمد خاص حکیم نورالدین کی خدمات کا جائزہ بھی لیتے ہیں کہ وہ کیا اور کس طرح اسلام اور اہل اسلام کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

۱۹۰۸ء میں جب حکیم نورالدین نے اقتدار سنبھالا تو ترکی کی سلطنت نامساعد حالات کا شکار تھی۔ یہودی اور انگریز ترکی کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ استعماری طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کی حدود میں قومیت کے جذبات کو اُبھار کر ترک قوم کو داخلی انتشار جیسے مسئلے سے دوچار کر دیا تھا۔ بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جن میں رومانیہ اور بلغاریہ بھی شامل تھیں۔ ترکوں کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ نوجوان ترکوں کو ورغلا کر حکومت کے خلاف کر دیا گیا۔ انھوں نے ''ینگ ٹرکس'' کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کر لی۔ اس تنظیم کی غرض و غایت بھی سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے اُس کی جگہ محمد خامس نامی ایک شخص کو ترکی کا سلطان مقرر کرنا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ان حالات کو دیکھ کر ارد گرد کی غیر مسلم ریاستوں نے بھی ترکی کے لیے مسائل پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ آسٹریا نے بوسنیا ہرزی گوینا کی ریاستوں کے ساتھ الحاق کر کے انھیں ترکوں کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔ اٹلی کی حکومت نے بھی ترکوں کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ کر کے ۱۹۱۲ء میں طرابلس پر حملہ کر دیا۔ جب ترکی کی خلافتِ عثمانیہ نے مصر کے راستے اپنی فوج کو اٹلی کی فوج کے خلاف کارروائی کرنا چاہی تو انگریزوں نے مصر کے راستے ترک فوجوں کو راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلقان نے بھی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جو ترکوں کے زیر تسلط ایک ریاست تھی۔ انگریز نے

ان بغاوتوں کو نہ صرف شہہ دی بلکہ اپنے سوچے سمجھے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے باغی فوجوں کی مدد کی۔ اس طرح ترکی کی عظیم سلطنت یعنی خلافتِ عثمانیہ کو ان ریاستوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست پر ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا۔ ہندوستان کے مسلم زعماء کی ان تمام حالات پر ایک گہری نگاہ تھی۔ وہ اس کے پس پردہ یہودی اور عیسائی مقاصد سے پوری طرح آشنا تھے اور دل کی گہرائیوں سے سلطنت عثمانیہ کو بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جنگِ طرابلس اور بلقان کے موقع پر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو غیرتِ ملّی کے جذبات سے سرشار کر کے میدانِ عمل میں لا کھڑا کیا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (بانی مجلس احرار اسلام) ترکوں کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ اوّل الذکر تین رہنماؤں نے اپنے اپنے اخبارات کے ذریعے مسلمانوں میں خلافتِ عثمانیہ کے دفاع کے لیے ایک تحریک کی صورت پیدا کر دی، جگہ جگہ جلسے کیے گئے، جلوس نکالے گئے، مالی امداد طرابلس اور بلقان کے مسلمانوں کو پہنچائی گئی۔ ڈاکٹر مختار انصاری کی قیادت میں ایک طبی وفد ترکی بھیجا گیا تا کہ زخمی مسلمانوں کی مدد کی جا سکے۔ اس کے علاوہ وہ چند مسلمان طلباء بھی اس طبی وفد میں شامل تھے جنھوں نے مسلمانوں کی خدمت کے لیے اپنی تعلیمی مستقبل کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ اس صورتِ حال کی عکاسی مولانا شبلی نعمانی کے مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے جو اُس وقت ہر باشعور مسلمان کی زبان پر تھے:

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے　　کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریضِ سخت جاں کب تک
یہ سیلابِ بلا جو بلقان سے بڑھتا چلا آتا ہے　　اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک
زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع و ملت ہے　　عزیزو، فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک
بکھرتا جاتا ہے شیرازۂ اوراقِ اسلامی　　چلیں گی تُند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

ہندوستانی مسلمانوں کا یہ طبی وفد جب واپس ہندوستان پہنچا تو مسلمانوں نے اس کا عظیم الشان استقبال کیا۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس موقع پر ڈاکٹر مختار انصاری کے پاؤں چومنے چاہے۔ ڈاکٹر صاحب نے انھیں منع کیا تو جواب میں مولانا نے فرمایا کہ یہ تمہارے پاؤں نہیں بلکہ اسلام کے مجسمۂ غربت کے پاؤں ہیں۔

اِدھر ہندوستان کے غیرت مند مسلمانوں کے دل دشمنانِ اسلام کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں پر خون کے آنسو رو رہے تھے تو اُدھر قادیان کے بزعم خویش ''اصلی مسلمان'' یا پھر ''سرکاری مسلمان'' اپنے قائد و پیشوا مرزا غلام احمد کی واضح ہدایت کی کہ مطابق یہودی اور نصرانیوں سے گٹھ جوڑ کر کے کیسی کیسی اسلام دشمن سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ اس کے بارے میں اگلی قسط میں بیان کیا جائے گا کہ یہ ہیں وہ جذبات جو یہ بیسویں صدی میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے سرانجام دیتے رہے جس پر جشنِ صد سالہ منایا جا رہا ہے:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

(جاری ہے)